قدرت کا جلوہ

مائل خیرآبادی

انوکھی ہڑتال ۳
بُھٹّو میاں ۱۰
رحیمو بابا ۱۷
بہت خوب ۲۳
السلام علیکم کی برکت ۲۷

انوکھی ہڑتال

چاندنی رات تھی، میں چار پائی پر لیٹا تھا۔ ابھی کچی ہی نیند تھی کہ آس پاس کچھ کھسر پھُسر ہوتی سنی۔ دھیان دیا تو معلوم ہوا کہ میرے ہی ہاتھوں پیروں آنکھوں اور کانوں میں کچھ بات چیت ہو رہی تھی۔ بیچ میں میاں پیٹ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ہاتھ سب سے کہہ رہا تھا۔

''دوستو! یہ میرا مالک، یہی احمد سعید جس کا میں ہاتھ کہلاتا ہوں۔ دیکھو تو ابھی ہے کتنا سا، لیکن بڑا ہی بے مروت اور بے ایمان ہے۔ اللہ میاں نے جو ذرا اختیار اسے دے دیا ہے کہ اپنی مرضی سے بھی کچھ کر سکتا ہے تو آپے میں نہ رہا۔ خدا کو بھول گیا، گھمنڈ کرنے لگا۔ اللہ میاں نے مجھے اس کے بس میں کر دیا۔ چاہئے تو تھا کہ مجھ سے خیرات کرتا۔ لیکن کرتا یہ ہے کہ لوگوں کے پیسے چھینتا ہے۔ اپنے سے کمزور بچوں کے چپتیں لگاتا ہے۔ مارتا ہے۔ دیکھو تو اسکول جانے میں غیر حاضری بھی کرتا ہے۔ پڑھتا

کچھ ہے، لکھتا کچھ ہے۔ ایک دن ایک پرچے پر گالیاں لکھ کر شوکت کو دیں۔ گندے گانے تو لکھ لکھ کر روز ہی بانٹتا ہے۔ توبہ توبہ! کتنا برا ہے میرا یہ مالک احمد سعید، میں تو اس سے پریشان ہو گیا ہوں۔''

ہاتھ چُپ ہوا تو پیر بولا۔ ''ہاں یار! یہ ایسا ہی ہے مجھ ہی کو دیکھو کیسا پریشان کرتا ہے مجھے۔ اللہ میاں نے مجھے بھی تو اس کے بس میں کر دیا ہے۔ اسے چاہیئے تھا کہ مسجد کی طرف جاتا۔ اللہ کی مرضی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتا۔ مگر کرتا کیا ہے؟ آوارہ گردی، آوارہ گردی۔

آپ سمجھے! ارے بھئی، بے کار میں اِدھر اُدھر برے کاموں کے لئے چکر لگاتا ہے۔ لڑائی جھگڑوں کی طرف دوڑتا ہے۔ برے کھیلوں کی طرف دوڑتا ہے۔ دوسرے لڑکوں کے لنگڑی لگا کر انھیں گرا دیتا ہے۔ ٹھوکریں مارتا ہے۔ بھائی ہاتھ! تم نے بالکل سچ کہا۔ ہمارا یہ احمد سعید بڑا ہی برا ہے میں بھی پریشان ہوں۔

پیر چپ ہوا تو آنکھ پھڑک کر بولی۔ ''ہاں جی! یہ ایسا ہی ہے۔ دیکھو نا! اللہ میاں نے مجھے اس کے چہرے پر کیسی اچھی جگہ دی ہے۔ میری وجہ سے کیسی خوبصورتی آ گئی ہے اس کے چہرے میں۔ بھائی ہاتھ اور پیر! آپ دونوں نے بالکل ٹھیک کہا کہ اللہ میاں نے اسے ہم پر ذرا سا اختیار

کیا دے دیا کہ یہ آپے میں نہیں رہا۔ اِترا تا پھرتا ہے۔ اسے چاہئے تھا کہ ہم سے اللہ میاں کی مرضی کے مطابق کام لیتا۔ قرآن کا مطالعہ کرتا۔ حدیث پڑھتا۔ اچھی اچھی کتابیں دیکھتا۔ مگر مجھ سے بھی الٹا ہی کام لیتا ہے۔ بے شرمی سے مجھے مٹکاتا ہے۔ ناچ دیکھتا ہے، بری کتابیں پڑھتا ہے۔ آپ لوگ بالکل سچ کہتے ہیں کہ ہمارا یہ مالک احمد سعید بڑا ہی شیطان ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے کیسے چھٹکارا ملے۔''

ابھی آنکھ نہ جانے کتنی دیر پھڑک پھڑک کر شکایت کرتی کہ کان بول اٹھا:

''ساتھیو! بالکل ٹھیک، میرا حال بھی بالکل تمہارا جیسا ہی ہے۔ جب یہ دیکھتا ہے کہ اچھی باتیں میرے اندر آرہی ہیں۔ تو بھاگ جاتا ہے۔ مجھ میں انگلیاں ٹھونس لیتا ہے۔ بری باتیں، گالیاں، غیبت کی باتیں سننا اسے بہت ہی پسند ہے۔

کان اتنا ہی کہہ سکا تھا کہ میاں پیٹ ''اف اللہ، اف اللہ'' کر کے بولے:

''بھائیو! ذرا میری طرف دیکھو۔ میں تو تم سب سے زیادہ سعید سے گھبراتا ہوں۔ رات دن انگاروں سے مجھے بھرا کرتا ہے۔ حرام حلال کی

اسے پرواہی نہیں۔ چوری کے لڈو ہوں، چھین جھپٹ کی ریوڑیاں ہوں، دھوکہ دے کر لائی ہوئی ٹافی ہو، کچھ ہو، نہ یہ فکر کہ ایسی کمائی سے اللہ میاں ناخوش ہوتے ہیں۔ نہ یہ پروا کہ ایسے کاموں سے اسلام بدنام ہوتا ہے۔ بس مجھے بھرنے سے مطلب، بھائیو! مجھ سے تو اب اس کا کہنا مانا نہیں جاتا۔ مگر کیا کروں؟ اکیلا ہوں۔ اکیلا چنا بھاڑ کو کیسے پھوڑ سکتا ہوں۔''

''میاں پیٹ اس طرح جھنجھلا کر خاموش ہوئے تو دل اور دماغ نے اسی طرح کی باتیں کیں اور پھر رویاں رویاں یہی رونا رونے لگا۔ زبان ابھی تک چپ تھی۔ سب سے آخر میں وہ چہکی تو یہ کہ ''ارے تو پھر اس طرح رونے دھونے سے کیا ہوتا ہے۔ کر ڈالو نا کوئی فیصلہ اور ہاں میاں دل اور دماغ صاحب! ہم میں تم ہی دونوں بڈھ ہو۔ آپس میں صلاح کر کے بتاؤ کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔

زبان اس طرح چٹکی تو دل نے دماغ کی طرف دیکھا۔ دماغ نے دل کی طرف، اور پھر دل نے زبان کی طرف اشارہ کیا اور زبان پکار اٹھی۔

''بائی کاٹ، ہڑتال!''

''بہت ٹھیک مگر ہماری مانگیں کیا ہوں گی؟'' ہاتھ، پیر، آنکھ، کان ناک سب نے پوچھا۔

''ہماری مانگیں؟'' زبان نے دل کی طرف دیکھا۔ دل نے دماغ سے مشورہ کیا۔ پھر دماغ نے دل سے کہا۔ دل نے زبان کو ٹیلی فون کر دیا اور زبان نے اعلان کیا۔

''ہماری مانگ صرف یہ ہے کہ ہم سے وہی کام لو جس سے ہمارا پیدا کرنے والا راضی ہو۔''

زبان نے یہ اعلان کیا تو ایک دم سناٹا چھا گیا اور اس سناٹے کے ساتھ میری نظروں کے سامنے اندھیرا پھیل گیا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ کچھ دیکھوں، لاکھ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کوشش کرتا ہوں۔ لیکن کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ ایسا لگا جیسے آنکھیں پتھرا گئیں۔

آنکھ کی یہ حالت دیکھی تو میں نے چاہا کہ ہاتھ کی ٹیک لگا کر اٹھوں۔ ارے بھائی! میں اٹھتا ہی کیا۔ میرا ہاتھ ہی نہ اٹھ سکا۔ لاکھ زور کرتا تھا مگر جیسے سو جاتا ہے نا! جیسے سن ہو جاتا ہے نا! اس سے بھی بری حالت ہو گئی اس کی۔

اب میں نے چاہا پیر سمیٹوں۔ تو ایسا لگا کہ جیسے پیروں کی جان نکل گئی۔ میں نے چاہا کہ ابّا جان کو پکاروں۔ لیکن زبان ہے کہ چپ، مجھ سے چلائی ہی نہیں گئی۔ میں نے سوچا کہ ناک سے زور زور سے سانس لوں تو

شاید ابّا جان سنیں تو مجھے اٹھائیں۔ لیکن اب سانس ہی نہیں لی گئی اور اس طرح ایک ایک کر کے میرے جسم کا رویاں رویاں بے کار سا ہو گیا۔ اور آخر میں میرے اندر سوچنے کی طاقت بھی نہ رہی۔

پھر مجھے ایسا معلوم ہوا، جیسے میری آنکھ کھل گئی ہو۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ سب خواب میں ہوتا رہا۔ جب میں جاگا تو سوچنے لگا کہ اگر اللہ تعالیٰ سچ مچ میرے ہاتھ، پیر، آنکھ، کان، دل و دماغ وغیرہ کو یہ اختیار دے دیتا کہ وہ اسی طرح ہڑتال کر دیتے۔ جیسے سوتے میں میں نے دیکھی۔ تو میرا حال کیا ہو گا۔

اف اللہ! میں کچھ بھی تو نہ کر سکوں۔ نہ دیکھ سکوں، نہ کچھ کھا سکوں، نہ پڑھ سکوں، نہ لکھ سکوں۔ کچھ بھی تو نہ کر سکوں۔ یہ سوچتے سوچتے میں نے اپنے روئیں روئیں کو دیکھا۔ خدا کا شکر ہے۔ اب میں جاگ رہا تھا اور میرے ہاتھ، پیر وغیرہ سب اپنا اپنا کام کر رہے تھے۔ میں بڑا خوش ہوا۔ لیکن دل نے آواز دی۔

"میاں سعید! آپے میں رہو۔ اتنا خوش نہ ہو۔ اتنا نہ پھولو کہ پیٹ پھٹ جائے۔ آج تم ہم سب پر مالک بنا دیئے گئے ہو تو کیا ہوا۔ ایک دن ایسا ضرور آئے گا، جب تم اللہ میاں کے حضور میں کھڑے کئے جاؤ گے۔ تم

نے یہاں جو کچھ کیا ہے۔ اس وقت تمہارے ایک ایک کام کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔ اوراس وقت ہم تمہارے خلاف گواہی دیں گے۔

میاں سعید! ہمیں دیکھو۔ اللہ میاں نے ہم سب کوتمہارا تابع دار بنایا، جب تک اللہ کی مرضی ہے۔ ہم سب تمہارا حکم مانیں گے۔ تم جو کہو گے ویسا ہی کریں گے۔ تم آج جو چاہو، ہم سے کام لے لو۔ مگر وہ دن یاد کرلو۔ جب کوئی تمہارا ساتھ دینے والا نہ ہوگا، تمہارے ابّا بھی تمہارا ساتھ نہ دیں گے۔ تمہاری ماں تو تم سے دور بھاگیں گی۔ سوچو! اس دن تم کیا کرسکو گے؟ توبہ کرو میرے اس دنیا کے مالک سے اور آخرت کی فکر کرو۔"

دل نے مجھ سے اس طرح کہا تو میں کانپنے لگا۔ میں پسینے پسینے ہوگیا۔ پھر یکدم چیخ چیخ کر رونے لگا۔ گھر والے حیران ہوگئے کہ سعید کو کیا ہوگیا ہے۔ سب پوچھنے لگے: کیا ہوا، کیا ہوا؟

میں نے کسی کی بات کا جواب نہ دیا۔ میں سجدے میں گر گیا۔ اور توبہ توبہ کرنے لگا۔ پھر سجدے سے سر اٹھایا۔ امّی جان اور ابّا جان کو آپ بیتی سنائی۔ سب کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے۔ میں اس کوشش میں ہوں کہ جو کام کروں اللہ کی مرضی کا کروں۔

☆☆☆

بھٹّو میاں

میں اپنا نام نہیں بتاؤں گا۔ میری آپ بیتی سنئے۔ میرا حال پڑھیئے۔ نام آپ کو خود معلوم ہو جائے گا اور بھائی نام سے کیا ہوتا ہے۔ آپ تو یہ دیکھئے کہ میرا کام کیا ہے۔ جیسا جس کا کام ہوتا ہے ویسی ہی اس کی مانگ ہوتی ہے۔

اچھا ہاں، تو سنئے۔ میں اپنے بھائی بندوں کے ساتھ ایک کوٹھری میں تھا۔ برسات کا پہلا پانی برستے ہی کوٹھری والا آیا۔ اس نے مجھ کو اور میرے بھائی بندوں کو ساتھ لیا۔ ساتھ لے کر گھر سے نکلا۔ بستی سے باہر ایک لمبے چوڑے کھیت میں ہم سب کو بکھیر دیا۔ میں سوچنے لگا کہ اس نے یہ کیا کیا۔ کہاں تو اتنی دیکھ بھال کے ساتھ کوٹھری میں رکھا۔ کہاں آج یہاں ڈال دیا۔ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے ایک موٹی لکڑی سے کھیت کی زمین برابر کرنا شروع کر دی۔ زمین برابر کرنے میں ہم

سب اندر چلے گئے اور منوں مٹی کے اندر دفن ہو گئے۔ وہ شخص جو ہمیں یہاں ڈال گیا۔ وہ تو چلا گیا، لیکن مجھے زمین کے اندر بڑی گھٹن محسوس ہونے لگی۔ لیکن واہ، اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا صبر عطا فرمایا کہ ہم میں سے کسی نے اف تک نہ کی۔ جو مولیٰ کی مرضی۔ دل ہی دل میں کہا اور مٹی کے اندر پڑے رہے۔

ہمارے اس صبر کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم جو سوکھے ساکھے تھے۔ زمین کے اندر نمی پا کر ذرا ٹانٹھے ہوئے ہمیں بڑی خوشی ہوئی۔ ایسی خوشی کہ ہم پھولے نہ سمائے۔ پھولے نہ سمائے تو پھر جانتے ہو کیا ہوا؟ ہوا یہ کہ ہمارا پیٹ پھٹ گیا۔ جی ہاں! پیٹ پھٹ گیا اور ہمارے پیٹ سے ایک آنت نکل آئی۔ آپ ہنستے کیا ہیں، ایک ہی آنت۔ تو ہماری آنت نکلنے سے آپ یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ ہم مر گئے ہوں گے۔ جی نہیں مرے نہیں۔ بلکہ ہمارے اندر اور جان آ گئی۔ ہم میں طاقت آ گئی۔ ایسی طاقت کہ زمین پھاڑ کر ہم سب نے اوپر سر نکالا۔ اب جو دیکھتا تو کہتا کہ انکھوے پھوٹ نکلے۔ اچھا دور تک ہم ہی ہم نظر آتے۔ ہم ہی ہم؟ یعنی ہمارے بھائی بند بھی ہماری طرح سر نکالے ہوئے تھے۔ مجھے اس بات سے بڑی خوشی

ہوئی۔ اور بھائی مجھے ہی نہیں، وہ جو ہمیں یہاں منوں مٹی کے نیچے دبا گیا تھا۔ تین چار دن کے بعد ادھر آیا تو وہ بھی بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اب وہ بار بار ہمیں دیکھنے آنے لگا۔

ایک دن کی بات ہے۔ ہمارا قد ایک بالشت کا ہوا تھا کہ ایک بھینس ہم سب کے سروں پر دوڑنے لگی۔ اس کے دوڑنے سے ہم سب ٹوٹتے اور پسنے لگے۔ لیکن اسی وقت وہی ہماری دیکھ بھال کرنے والا۔ کیا سمجھے آپ۔ دیکھ بھال کرنے والا کون؟ ارے بھئی! سچ مچ ہماری دیکھ بھال کرنے والا تو اللہ ہی ہے۔ لیکن میرا مطلب اس شخص سے ہے جس نے ہمیں یہاں بکھیرا تھا۔ اس نے بھینس کو ہمارے سروں پر دیکھا تو اسے مار مار کر بھگا دیا۔ بھینس کو بھگا تو دیا گیا مگر اب ڈرنے لگا۔ اور بھائی! میں ہی کیا میرے سارے بھائی بند سہم گئے۔

اب اللہ کا ایک اور فضل دیکھئے۔ دس بارہ دن میں ہم ایک بالشت سے بڑے ہو گئے۔ ہمارے جسم میں ذرا ذرا پیلا پن تھا۔ اب وہ ہرا ہوتا جا رہا تھا۔ اچھا بھائی دس بارہ دن کے بعد زوردار بارش ہوئی۔ سچی بات یہ ہے کہ ہم کو بہت دنوں سے پانی ملا بھی نہ تھا۔ اللہ میاں سچ مچ سب کو روزی

دیتا ہے۔ وہ موسلا دھار پانی برسا کہ مزا آ گیا۔ اب میں اور میرے ساتھی دن دونا رات چوگنا بڑھنے لگے۔ جیسے جیسے ہم سب بڑے ہوتے تھے۔ اللہ میاں ہمیں ہرے کپڑے پہناتے گئے۔ ایک دل چسپ بات اور سنئے۔ دیکھئے آپ کے دو پیر ہیں۔ ہم سب کی ایک ہی ٹانگ تھی۔ ایک ٹانگ سے کوئی کیا چل سکتا ہے۔ تو بھائی! ہم اپنی ہی جگہ کھڑے رہے۔ دن دن پندرہ دن ایک مہینہ اسی طرح کھڑے گذر گیا۔ اب ہم جوان ہو گئے۔ یہ سب اللہ کی قدرت ہے۔

جوان ہوتے ہی جیسے آپ مردوں کے داڑھی مونچھ نکلتے ہیں اور آپ کے بدن میں تبدیلیاں نظر آنے لگتی ہیں اسی طرح ہمارے جسم میں تبدیلی آئی۔ ہمارے جسم میں جگہ جگہ سفید بال نکلنے لگے۔ یہ سب سوت کی انٹی کی طرح آپس میں اس طرح گندھ گئے جیسے چھلا ہوا کیلا۔ سفید سفید۔ دو چار دن ہی میں اس پر دانے ابھرنے لگے۔ یہ دانے سب لائنوں میں تھے۔ اب پھر ایک پانی اور برسا۔

پانی برسنے سے دانے بڑے اور موٹے ہوتے گئے۔ بالکل اس طرح جیسے میں اس وقت تھا جب کھیت میں ڈالا گیا تھا۔ میں نے اپنے دل

میں کہا۔ ارے واہ! میں ایک تھا۔ مجھے زمین میں ڈالا گیا۔ میں نے صبر کیا۔ صبر کرنے سے اللہ نے مجھ پر مہربانی فرمائی اور اس طرح میں ایک کے بدلے سیکڑوں کی تعداد میں ہو گیا۔ میں نے ایک لڑکے کو ایک نظم گاتے ہوئے سنا تھا۔ مجھے یاد ہے۔ وہ گا رہا تھا: ؂

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

اس کا مطلب اب میری سمجھ میں آ گیا۔ سچ مچ اگر صبر سے کام لیا جائے تو اسی طرح ہر ایک پھولتا پھلتا ہے جس طرح میں پھلا پھولا۔

واہ بھئی واہ! میں تو اپنی آپ بیتی سنا رہا ہوں۔ آپ ہیں کہ آپ کی رال ٹپکی پڑتی ہے۔ ارے میاں! کیا کوئی مٹھائی ہوں کہ مجھے دیکھ دیکھ کر آپ کے منھ میں پانی بھر آیا۔ اچھا اب میں زیادہ نہیں بڑھاؤں گا اپنی آپ بیتی۔ بس دو منٹ اور خاموشی سے سنئے۔''

اللہ میاں نے ہم کو تہ پر تہ باریک کپڑے پہنائے۔ سب سے اوپر کچھ موٹے اور ہرے کپڑے لپیٹ دیئے۔ ہم سب ان کپڑوں میں آرام سے رہے۔ لیکن پھر چند ہی دنوں میں ہماری داڑھی نکل آئی۔ جی ہاں ہم

بوڑھے ہو گئے۔ دو مہینے ہی میں ہم پر بڑھاپا آ گیا۔ ہمارے کپڑے سوکھنے لگے۔

اس حالت میں ہم کو اس شخص نے پھر آ کر دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ یہ خوشی خوب رہی۔ بوڑھے کو دیکھ کر کون خوش ہوتا ہے۔ مگر وہ سچ مچ خوش تھا۔ دوسرے دن وہ پھر ہمارے پاس آیا۔ اس کے پاس ہنسیا بھی تھا۔ اس نے ہنسیے سے میری اور میرے بھائی بندوں کی ٹانگیں کاٹ دیں۔ ہم سب زمین پر آ رہے۔ مگر بڑا تعجب تھا۔ ہمیں اس سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ ارے بھئی! ہمیں اس وقت بھی تکلیف نہیں ہوئی جب ہمارے سارے دانوں کو الگ الگ کر دیا گیا۔ اب ہم پھر اصل شکل میں آ گئے۔

اصل شکل میں آ گئے تو ایک دن گھر والی نے مجھے میرے ساتھیوں کے ساتھ نکالا اور بھاڑ میں بھوننے لگی۔ ارے ارے یہ کیا؟ لیکن آگ میں بھننے سے ہم کو تکلیف نہیں ہوئی۔ کیسی تعجب کی بات ہے۔ آگ میں بھننے سے ہم نے گولے داغنے شروع کر دیئے۔ یہ آوازیں ہوئیں تو گھر کے لڑکے لڑکیاں سب دوڑ پڑیں۔ وہ سب بڑے خوش نظر آ رہے تھے۔ آگ میں بھن کر ہم سب نے اپنا اپنا رنگ خوب نکھارا۔ ہمارے سروں پر

سفید پگڑی سی بندھ گئی اور ہم ایسے خوب صورت نظر آتے تھے کہ جو دیکھتا، للچائی نظروں سے دیکھتا۔ اور پھر ہمیں چبانے لگتا۔ ہمیں اب بھی تکلیف نہیں تھی۔ ارے بھئی کیوں نہیں تھی۔ ارے بھئی کیوں نہ تھی تکلیف؟ یہ ایک سوال تھا میرے سامنے۔ میں نے سوچا، پھر سوچا، خوب سوچا تو سمجھ میں آیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ میں انسانوں کے کام آؤں تو پھر اللہ نے مجھے ایسا صبر دیا اور ایسی برداشت کی طاقت دی کہ چاہے مجھے بھونو، چاہے مجھے پیسو، مجھے تکلیف نہیں ہوتی۔ انسان مجھے کھاتا ہے، بتاؤں کاہے کے ساتھ۔ گڑ کے ساتھ۔ اب بتایئے آپ میرا نام۔ میرا نام جب آپ لیں گے تو سننے والے دنیا کے سب سے زیادہ برکت والے شہر کا نام بھی اس سے سمجھ سکتے ہیں۔ ذرا لیجئے تو میرا نام؟

☆☆☆

رحیمو بابا

رحیمو بابا گاؤں کی پگڈنڈی پر آتے دیکھ کر سب بچے اپنا اپنا کھیل چھوڑ کر ان کی طرف دوڑ پڑے۔ کھیتوں میں کام کرتے ہوئے کسان مسکرا اٹھے۔ رحیمو بابا بیساکھی سنبھالے آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ ننھی زیبا ان کی کمر سے لپٹ گئی اور عامر نے بڑھ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔ سب بچے ہنستے مسکراتے چودھری صاحب کی چوپال تک آگئے۔

چودھری صاحب کی چوپال میں بیٹھ کر رحیمو بابا سے کہانیاں سنی جاتی تھیں۔ بابا کبھی کبھی شہر سے ان کے لئے مٹھائی لاتے تھے۔ مگر بچوں کو مٹھائی سے اچھی ان کی کہانیاں لگتی تھیں۔

چوپال میں پہنچ کر رحیمو بابا نے بیساکھی کونے میں رکھی اور سنبھل کر پلنگ پر بیٹھ گئے۔ سب بچے انھیں گھیر کر بیٹھ گئے۔

''بابا! آج کوئی اچھی سی کہانی سنایئے۔ خوب اچھی۔'' شاہد ان کے

قریب کھسک کر بولا۔

''خوب اچھی۔'' بابا ہنس کر بولے۔

اچھا سنو، ایک کہانی۔

''ایک لڑکا تھا، ماں باپ کا بہت لاڈلا۔ ایک بڑے سے گھر میں رہا کرتا تھا۔ ماں بیٹے کو بہت پیار کرتی تھی۔ مگر بیٹا بہت خراب تھا۔ وہ ماں کا کہنا نہ مانتا تھا۔ پڑھنے میں اس کا جی نہ لگتا تھا۔ مدرسہ سے بھاگ آتا اور دن بھر گھر کے اندر کھیلا کرتا تھا۔

کھیل بھی اس لڑکے کے اچھے بچوں کے سے نہ تھے۔ گھر میں پلے جانوروں کو وہ ستایا کرتا تھا۔ کبھی کسی مرغی کا بازو پکڑ کر الٹا لٹکا دیتا۔ وہ پھڑ پھڑاتی تو وہ خوش ہوتا۔ ماں چیختی تو مرغی کو چھوڑ کر وہ چوہے دان سے چوہے پکڑنے لگتا اور جب کوئی چوہا پکڑ لیتا تو اسے گھر سے باہر لے جا کر اینٹیں اور پتھر مار مار کر ختم کر دیتا۔

ماں اس کی حرکتوں سے عاجز رہتی۔ باپ بوڑھے تھے۔ اور پھر دمے کے مریض۔ بے چارے کھانسا کرتے اور دل ہی دل میں کڑھا کرتے۔

ایک دن تو اس نے ظلم کی انتہا کر دی۔ زمین پر دانے بکھیرے اور ایک ڈلیا میں کھٹکا لگا کر وہ دور بیٹھ گیا۔ چڑیاں دانہ دیکھ کر ڈلیا کے نیچے اُتر آئیں اور خوش ہو ہو کر دانہ چگنے لگیں۔ لڑکے نے ڈور کھینچی۔ ڈلیا گر گئی۔ سب چڑیاں اڑ گئیں۔ ایک اسی کے نیچے رہ گئی۔ لڑکا بہت خوش ہوا۔

اس نے ڈور سے چڑیا کا ایک پیر باندھا اور اسے پتنگ کی طرح اڑانے لگا۔ غریب چڑیا دور سے پھڑ پھڑانے لگی۔ وہ لڑکا کھیلتا رہا۔ چڑیا بے دم ہو گئی۔ ایک بار جب اس لڑکے نے بہت تیز ڈور کو کھینچا تو چڑیا کا پیر ٹوٹ کر ڈور میں پھنسا رہ گیا اور چڑیا زمین پر گر کر تڑپنے لگی۔

''ہائے بے چاری چڑیا!'' ننھی زیبا سسک اٹھی۔

''پھر کیا ہوا بابا؟'' عامر رحیمو بابا کے اور نزدیک کھسک آیا۔

''پھر بیٹا اس لڑکے کا اس کھیل سے جی بھر گیا۔'' بابا نے سرد آہ بھر کر کہا۔

''وہ لڑکا چڑیا کو تڑپتا چھوڑ کر باہر چلا گیا۔ ماں جب اس جگہ پر آئی تو وہ غم کے مارے رونے لگی۔ اس نے زخمی چڑیا کو اٹھا کر دوا لگائی۔ اللہ سے گڑگڑا کر دعا مانگی کہ وہ اس کے بیٹے کو سیدھی راہ دکھائے۔

دن گذرتے گئے، لڑکا بڑا ہو گیا۔ وہ اب بھی بوڑھی ماں کو ستاتا اور جانوروں پر ظلم کرتا تھا۔ انھیں دنوں جنگ چھڑی۔ اس لڑکے نے فوج میں نوکری کرلی۔ اب وہ سپاہی تھا۔

ایک فوجی دستے کے ساتھ وہ بھی لڑنے گیا۔ میدان جنگ میں لڑائی بہت تیز ہو رہی تھی۔ وہ لڑکا بھی دشمنوں سے لڑ رہا تھا۔ گولیاں برس رہی تھیں۔ دھواں اتنا چھایا ہوا تھا کہ نزدیک کی چیز دکھائی نہیں پڑ رہی تھی۔ دفعتاً اس لڑکے کو ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے اس کے پیر میں آگ بھر دی۔ وہ وہیں چکرا کر گر پڑا۔ آنکھ کھلنے پر اس نے خود کو اسپتال میں پایا۔ ڈاکٹر نے بتایا۔ اس کے پیر میں کئی گولیاں لگی ہیں اور زہر پھیل رہا ہے۔ ٹانگ کاٹی جائے گی ورنہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔

تب پہلی بار اس لڑکے کو اپنے ظلم یاد آئے۔ وہ کتنا خوش ہوتا تھا۔ بے زبان جانوروں کو ستا کر۔ کتنی چڑیوں کے گھونسلے اس نے ویران کئے تھے۔ کتّے کے پِلّوں کو وہ ڈھیلے مارا کرتا تھا اور آج جو سزا اسے مل رہی تھی وہ اسی بے بس چڑیا کی بددعا تھی۔ جس کا پیر اس نے ڈور میں کھینچ کر توڑا تھا۔ پرندے بھی بددعا کرتے ہیں۔ کسی بھی جاندار کو ستانا گناہ

ہے۔اس نے ایک پرندے کا پر توڑا اللہ تعالیٰ نے جو کہ بہت انصاف کرنے والا ہے۔اس کو ٹانگ سے محروم کر دیا۔

یہ کہتے کہتے رحیمو بابا رونے لگے۔سب بچے حسرت سے انھیں دیکھ رہے تھے۔کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔

میرے بچو! وہ خراب لڑکا تمہارا بابا ہے۔ یہ دیکھو اللہ نے انصاف کیا ہے۔

انھوں نے اپنی آدھی کٹی ٹانگ بچوں کے سامنے پھیلا دی۔ میں نے ایک چڑیا کی ٹانگ توڑی تھی۔اللہ نے مجھے اس کی سزا دی۔ ہر ظالم کو اس کے ظلم کی سزا آخرت میں تو ملے گی ہی کبھی کبھی اس دنیا میں بھی مل جاتی ہے۔

رحیمو بابا کے گرد بیٹھے بچے چپ چاپ آدھی کٹی ٹانگ دیکھ رہے تھے۔ جسے وہ کھیل سمجھ کر کھیلتے تھے، وہ ظلم ہے اور اسی کی سزا اتنی بڑی ہوتی ہے۔

''بابا!اب میں زیبا کی بلّی کو نہ ستاؤں گا میں اچھا بیٹا ہوں نا؟''

عامر نے بابا کے کانوں میں چپکے سے کہا۔مگر سب نے سن لیا اور سب

بچے ہنس پڑے۔

اور اس دن بہت بچوں نے بابا کے سامنے ہاتھ پھیلا کر دعا مانگی کہ اللہ ان سے راضی رہے۔ وہ کسی کو نہ ستائیں گے کبھی بھی۔

رحیمو بابا کا دل آج بہت خوش تھا۔ انھوں نے بچوں کے سامنے اپنی مثال پیش کی تھی اور سب بچے ظلم سے توبہ کر چکے تھے۔ واپسی پر کھیتوں کے بیچ گذرتے ہوئے انھیں ایسا لگا کہ اللہ نے انھیں معاف کر دیا ہے۔ برسوں سے بھاری ان کا دل آج ہلکا ہو گیا اور انھیں پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد آ گیا:

''نیکی پر اُبھارنا خود نیکی کرنا ہے۔''

☆☆☆

بہت خوب!

ایک بادشاہ تھا۔ اس نے اپنے وزیروں سے کہہ رکھا تھا جس کسی کی بات پر میں کہوں ''بہت خوب'' اس کا منھ موتیوں سے بھر دینا۔

ایک بار وہ شکار کے لئے چلا۔ اس کے ساتھ دربار کے بڑے بڑے امیر اور وزیر بھی تھے۔ اور تھوڑا سا لشکر بھی تھا۔ بادشاہ ایک جنگل کے کنارے پہونچا۔ جنگل سے تھوڑے ہی فاصلے پر اس نے دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص کچھ پودے لگا رہا ہے۔ بادشاہ نے بوڑھے کو بلا بھیجا۔ بوڑھا بادشاہ کے سامنے آیا۔ سلام کیا اور ادب سے کھڑا ہو گیا۔

بادشاہ نے اس سے کہا۔ ''تم اتنے بوڑھے ہو چکے ہو کہ تمہاری بھویں تک سفید ہو گئی ہیں۔ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہو۔ آج مرے کل دوسرا دن۔ پھر یہ پودے کیوں لگا رہے ہو۔ یہ پودے کہیں آٹھ دس سال میں پھل دیں گے۔ کیا تم آٹھ دس سال زندہ رہ سکو گے؟''

بادشاہ نے یہ پوچھا تو بوڑھے نے عرض کیا۔ ''حضور! میرے بزرگوں نے جو پودے لگائے تھے۔ ان کے پھل میں نے کھائے۔ اب میں اپنے بعد آنے والوں کے لئے پودے لگا رہا ہوں۔ میرے بعد میرے بچے ان پودوں کا پھل کھائیں گے۔

بوڑھے کی یہ بات بادشاہ کو بہت پسند آئی۔ اس کی زبان سے نکلا۔ ''بہت خوب'' بادشاہ کی زبان سے ''بہت خوب'' نکلنا تھا کہ اس کے ایک مصاحب نے بڑھ کر بوڑھے کا منہ موتیوں سے بھر دیا۔ بوڑھے نے موتی اپنی جیب میں رکھے۔ پھر بولا۔ ''حضور! خیال تھا کہ میرے ہاتھ کے لگائے ہوئے پودے دس بارہ سال میں پھل دیں گے۔ لیکن مجھے تو آج ہی اس خدمت کا پھل مل گیا۔

بادشاہ کو بوڑھے کی یہ بات بھی پسند آئی۔ اس نے کہا ''بہت خوب، بہت خوب۔'' سن کر مصاحب نے پھر بوڑھے کا منہ موتیوں سے بھر دیا۔ بوڑھے نے منہ سے موتی نکال کر جیب میں رکھے۔ پھر بولا۔ ''حضور! میرے ہاتھ کے لگائے ہوئے پودے جب پھل دیں گے تو سال میں ایک بار دیں گے۔ لیکن مجھے تو ان کا پھل بات بات پر ملنے لگا۔

بادشاہ کو بوڑھے کی یہ بات بھی پسند آئی۔ اس نے کہا ''بہت خوب۔'' بہت خوب کا لفظ سن کر مصاحب نے پھر بوڑھے کا منہ موتیوں سے بھر دیا۔ بوڑھے نے موتی منہ سے نکال کر جیب میں رکھے۔ پھر بولا۔ ''حضور! میرے ہاتھوں سے لگائے ہوئے یہ پودے جب پھل دیں گے تو فصل آنے پر ان کو بازار لے جا کر بیچنا ہوگا، لیکن مجھے تو گھر بیٹھے رقم ملنے لگی۔ یوں کہنا چاہئے کہ کنواں پیاسے کے پاس خود آ گیا۔

''بہت خوب، بہت خوب۔'' اب کی بار بادشاہ ایسا خوش ہوا کہ دو بار اس کی زبان سے ''بہت خوب'' نکلا۔ اب کی بار مصاحب نے دو بار بوڑھے کا منہ موتیوں سے بھرا۔ بوڑھے نے موتی نکال نکال کر جیب میں رکھے۔ پھر بولا۔ ''حضور! میں نے اپنے بزرگوں سے سنا تھا کہ جس ملک کا بادشاہ کاشت کاروں، باغبانوں اور دست کاروں کی قدر کرتا ہے اس کے ملک کے لوگ اسی طرح مالا مال ہوتے اور برکت حاصل کرتے ہیں۔ جس طرح میں آپ سے برکت حاصل کر رہا ہوں۔''

''بہت خوب، بہت خوب، بہت خوب۔'' اس بار تو بادشاہ اتنا خوش ہوا کہ تین بار ''بہت خوب'' اس کی زبان سے نکلا۔ اب کی بار تین بار

بوڑھے باغبان کا منہ موتیوں سے بھرا گیا۔ بوڑھے نے موتیوں کو نکال کر جیب میں رکھا۔ اس کے بعد پھر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اتنے میں مصاحب نے آ کر کہا۔

''اے سمجھدار بزرگ! دربار کا قاعدہ یہ ہے کہ جس کی بات پر بادشاہ کی زبان سے تین بار ''بہت خوب'' نکلے تو اس کو منہ مانگا انعام دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اب تم بادشاہ سے مانگو، جو چاہو۔

بوڑھے کسان نے عرض کیا۔ ''حضور! ہم باغبانوں اور کسانوں کو سب سے زیادہ ضرورت پانی کی پڑتی ہے۔ اگر آپ ہمارے کھیتوں اور باغوں کی طرف نہر نکلوا دیں تو ہم آپ کے لئے عمر بھر دعا کریں گے۔''

بادشاہ نے بوڑھے کی بات مان لی اور نہر نکالنے کا حکم دے دیا۔

بوڑھا خوش خوش واپس آیا۔ موتیوں سے اس کی جھولی بھری ہوئی تھی۔

☆☆☆

السلام علیکم کی برکت

۱۹۴۷ء سے پہلے کی بات ہے۔ میں کلکتے میں تھا۔ درزی کا کام کرتا تھا۔ میری دُکان کے سامنے ایک خاں صاحب رہتے تھے۔ خاں صاحب بڑے مال دار اور سیٹھ آدمی تھے۔ ان کا بڑا کاروبار تھا۔ شہر میں ان کا بڑا دباؤ تھا۔ سرکاری افسر بھی ان کو بہت مانتے تھے۔ انھوں نے ایک فرم کھول رکھی تھی۔ فرم میں ہندو مسلمان سبھی نوکر تھے۔ منیجر صاحب ہندو تھے۔

میں جب گھر سے دُکان پر آتا اور جب دکان سے گھر جاتا تو خاں صاحب کو "السلام علیکم" ضرور کہتا۔ یہ میں روز کرتا۔ خاں صاحب "وعلیکم السلام" کہتے۔ سلام کے سوا میری ان کی کبھی کوئی بات نہیں ہوئی۔ میں چھوٹا آدمی تھا، وہ بڑے آدمی۔ میری ان کی بات اور ملاقات ہی کیا۔

ایک بار ایسا ہوا کہ شہر میں ایک قتل ہو گیا۔ اس قتل میں تھانے دار نے

مجھے بھی دھرلیا۔ تھانے دار نے مجھ سے کپڑے سلائے تھے۔ میں سلائی مانگنے گیا۔ بس اسی دن وہ میرا دشمن ہو گیا۔ موقع ملا تو مجھے بھی پھانس دیا۔ میں حوالات میں بند کر دیا گیا۔

خاں صاحب نے کئی دن مجھے نہ دیکھا تو اپنے آدمیوں سے حال پوچھا۔ لوگوں نے بتایا۔ تو جھٹ منیجر صاحب کو بھیجا کہ جا کر ضمانت پر مجھے یہ چھڑا لائیں۔ میں گھر آ گیا۔ لیکن مجھے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ مجھے کس نے چھڑایا۔

ضمانت پر چھوٹا تو دوسرے دن دکان پر گیا۔ خاں صاحب کے سامنے ہو کر نکلا تو انھیں سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا۔ میں دکان پر کام کرنے لگا۔

اب مقدمہ شروع ہوا۔ میں پریشان تھا کہ نہ میرے پاس پیسہ، نہ میرا کوئی مددگار۔ وکیل کہاں سے کروں اور کیسے مقدمہ لڑوں؟ لیکن جب عدالت میں پہنچا تو کلکتے کا سب سے بڑا بیرسٹر میری طرف سے پیروی کرنے پر موجود تھا۔ میں حیران رہ گیا۔ پہلی پیشی کے بعد میں نے پوچھا۔ ''بیرسٹر صاحب! میں آپ کی فیس ادا نہ کر سکوں گا۔ آپ کس

طرح میری پیروی کرنے لگے؟'' انھوں نے جواب دیا۔ ''تم کو اس سے کیا غرض۔ تم سے جو کہوں وہ کرو۔'' میں چپ ہو رہا۔

مہینوں مقدمہ چلتا رہا۔ بیرسٹر میرے مقدمے کی پیروی کو آتا رہا اور میں اس کھوج میں کہ اللہ کا کون سا بندہ میرے لئے پانی کی طرح پیسہ بہا رہا ہے۔ مگر کسی طرح بھی مجھے کچھ نہ معلوم ہو سکا۔ یہاں تک کہ مقدمہ ختم ہو گیا اور میں صاف چھوٹ گیا۔ خوشی کے مارے پھولا نہ سمایا۔

گھر آیا تو اسی خوشی میں دوستوں کی دعوت کی۔ خاں صاحب محلّے ہی میں رہتے تھے۔ ان کو نہیں بلایا کہ وہ بڑے آدمی ہیں۔ میرے گھر کیا آئیں گے۔ پھر یہ بات بھی تو تھی کہ میں خاں صاحب کے لائق ان کی خاطر مدارات بھی تو نہ کر سکتا تھا۔

اچھا، تو میں نے ان کو نہیں بلایا۔ مگر خاں صاحب آ دھمکے۔ میں ان کو دیکھ کر شرمایا بھی اور گھبرایا بھی۔ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کروں۔ میں نے بڑھ کر سلام کیا اور ہکّا بکّا کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ خاں صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''بھائی! ہم تو پڑوسی ہیں، تم نے ہمیں کیوں نہ بلایا؟''

اب میں نے سر جھکا کر کہا۔ ''حضور! آپ بڑے آدمی ہیں۔ میں

غریب درزی ایک مقدمے میں پھنس گیا تھا۔ اللہ نے غیب سے میری مدد کی اور مجھے بچالیا۔ اسی خوشی میں اس غریب کے گھر یہ رونق ہے۔'' بولے۔ ''ہمیں بھی اس بات پر خوشی ہے۔ لو بھائی! ہم بے بلائے ہی آگئے۔'' اور پھر ہنس کر کہا۔ ''اب آگئے ہیں تو کھائے بغیر نہ جائیں گے۔''

یہ سنا تو میں جلدی جلدی خاں صاحب کے بیٹھنے کا انتظام کرنے لگا۔ انھوں نے مجھے روک دیا اور فرمایا۔ ''بھائی! ہم تو تم سب کے ساتھ کھائیں گے۔'' یہ کہہ کر سب کے ساتھ بیٹھ گئے۔ دو چار نوالے کھائے اور منیجر صاحب کو حکم دیا کہ پانچ سو روپئے دے دیں۔ منیجر صاحب نے اسی وقت پانچ سو روپئے مجھے دیئے اور یہ بھی بتایا کہ ''تمہارے مقدمے میں ہزاروں روپیہ خاں صاحب ہی نے اٹھایا ہے۔''

یہ سنا تو میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں نے دوڑ کر خاں صاحب کے پاؤں پکڑ لئے۔ خاں صاحب بگڑ گئے اور غصّہ ہو کر آگے بڑھنا چاہا۔ مگر میں نے پیر نہ چھوڑے اور کہتا رہا۔ ''حضور! اگر میں ساری عمر آپ کی غلامی کروں، تب بھی آپ کے احسان کا بدلہ نہ ہو سکے

گا۔آپ نے مجھ غریب پر بڑا احسان کیا۔''

خاں صاحب نے دیکھا کہ یہ آدمی پاؤں نہیں چھوڑتا تو بولے۔ ''بھائی! تمہارا احسان اب بھی زیادہ ہے۔'' میں نے حیران ہوکر پوچھا۔ ''وہ کیسے؟'' بولے ہاں، تمہارا احسان بڑا ہے۔تم برسوں روز میرے لئے سلامتی کی دعا کرتے رہے۔ دن میں دونوں وقت سلام کرتے رہے ''السلام علیکم'' کا مطلب یہی تو ہے کہ آپ دونوں جہان میں سلامت اور خوش رہیں۔ بتاؤ اس دعا کی قیمت کیا ہوسکتی ہے؟''

پھر جب تم مقدمے میں پھنس گئے تو دونوں جہان کی سلامتی کی دعا (السلام علیکم) تمہاری طرف سے بند ہوگئی۔تو میں نے حال معلوم کیا۔ لوگوں نے بتایا تو میرے دل نے کہا کہ جو شخص دوسروں کے لئے دونوں جہان کی سلامتی کی دعا کرتا ہے۔وہ کسی کا قتل نہیں کرسکتا۔ایسا آدمی ضرور بےقصور ہے۔بس میں نے وہ کیا جو تم کو کسی نے بتا دیا۔ میں تو اس کا بدلہ اللہ سے لینا چاہتا تھا۔اسی لئے چھپاتا تھا۔تم کو کس نے بتا دیا؟''

''منیجر صاحب نے۔'' میں نے جواب دیا اور خاں صاحب نے جاتے ہی منیجر صاحب کو برخاست کردیا۔منیجر صاحب کی تنخواہ ڈیڑھ ہزار

روپیہ مہینہ تھی۔ وہ بہت گھبرائے۔ شہر کے بڑے بڑے سیٹھوں اور سرکاری افسروں سے سفارش کرائی۔ کہلوایا۔ مگر خاں صاحب کسی طرح نہ مانے۔

اب منیجر صاحب میرے پاس آئے اور رونے لگے کہ ''میری اتنی بڑی نوکری تمہاری وجہ سے گئی۔'' مجھے منیجر صاحب پر بڑا ترس آیا۔ میں کچھ سوچ کر خاں صاحب کی خدمت میں گیا۔ انھوں نے پوچھا۔ ''کیسے آئے بھائی؟''

میں نے جھٹ ان کے پاؤں پکڑ لئے اور منیجر صاحب کی بحالی کے لئے خوشامد کرنے لگا اور کہا۔ ''حضور! میری عرض اور سن لیجئے۔ نہیں تو میں پیر نہ چھوڑوں گا اور بھوکا پیاسا آپ کے سامنے ہی مر جاؤں گا۔''

میری خوشامد سے خاں صاحب مان گئے اور منیجر صاحب کو بحال کر دیا۔

میں خاں صاحب کے لئے اب بھی سلامتی کی دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ انھیں دونوں جہان میں خوش رکھے۔ ایسے لوگ کہاں ملتے ہیں۔ جو مال دار ہو کر بھی خدا کو نہ بھولیں۔ اور کسی پر احسان کریں تو چھپائیں۔

☆☆☆